بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

مکّی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی حکمتِ عملی

(۲)

سید جلال الدین عمری

علی الاعلان انذار کا حکم

تین سال خاموش دعوت و تبلیغ کا عمل جاری رہا، اس کے بعد حکم ہوا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ	جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے
اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝	کھول کھول کر بیان کر دو اور مشرکین
(الحجر: ۹۴)	سے رخ پھیر لو۔ (ان کی پروا نہ کرو)[۱]

'فاصدع' کا لفظ صدع سے نکلا ہے، اس کے معنی ہیں اپنی بات پورے زور اور دلائل کے ساتھ اس طرح پیش کرنا کہ حق و باطل میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور وہ سپیدۂ صبح کی طرح نکھر کر سامنے آجائے[۲] 'بما تؤمر' کے معنی ہیں جو ہدایات آپ کو دی جا رہی ہیں وہ پوری کی پوری اور بے کم و کاست پیش فرمائیں، امام رازی اور قاضی بیضاوی نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے بما تؤمر بہ من

---

[۱] ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۹۹۔ طبع بیروت۔ ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۱/۹۹

[۲] امام رازی فرماتے ہیں 'فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ' ای فرق بین الحق والباطل وقال الزجاج فاصدع أظہر بما تؤمر بہ یقال صدع بالحجۃ اذا تکلم بہا جہارا۔ رازی، التفسیر الکبیر جلد ۱۰ جزء ۱۱ ص ۱۷۵۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۰ء یہی تشریح قاضی بیضاوی نے بھی کی ہے۔ انوار التنزیل: ۱/۵۳۶۔ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۸ء۔

الشرائع (جن احکام وشرائع کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے) [۱]

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دعوت و تبلیغ کا جو حکم دیا جا رہا ہے، اس پر علی الاعلان عمل کیجئے یہ وقت کے غلط افکار وخیالات کے خلاف پوری قوت سے آواز اٹھانے کا حکم تھا۔ یہ اس بات کی تعلیم تھی کہ جو اوہام وخرافات چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں ان کی جگہ صحیح عقائد ونظریات پیش کیے جائیں، شرک وبت پرستی کی جگہ توحید اور خدا کی بندگی کا درس دیا جائے، بداخلاقی اور بے حیائی کی جگہ اخلاق اور تہذیب کی تعلیم دی جائے، خدا سے بغاوت اور نافرمانی کی جگہ اس کی اطاعت وفرمانبرداری کی دعوت دی جائے۔

"فاصدع بما تؤمر" کے الفاظ میں عموم پایا جاتا ہے۔ اس میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دین اب کسی محدود دائرہ میں نہیں رہے گا، اسے پوری قوم تک بلکہ تمام انسانوں تک پہونچنا ہے۔ وہ کسی خطۂ زمین تک محدود ومحصور نہ ہوگا، بلکہ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پوری دنیا اس کی مخاطب ہوگی، اور اس کی دعوت سب کے لیے ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

إنه أمر من الله تعالى ذكره نبيه صلى الله عليه وسلم بتبليغ رسالته قومه وجميع من أرسل اليه [۲]	یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم ہے کہ اس کا پیغام اپنی قوم اور تمام انسانوں تک پہونچائیں۔

علامہ قرطبی نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:

فاصدع بما تؤمر أي بلّغ رسالة الله جميع الخلق لتقوم الحجة عليهم فقد أمرك الله بذلك [۳]	کھول کر کہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ کا پیغام تمام انسانوں تک پہنچائیے تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اللہ نے اس کا آپ کو حکم دیا ہے۔

---

[۱] حوالہ سابق [۲] ابن جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن جزء ۱۴ ص ۶۹ طبع بیروت ۱۹۷۸ء

[۳] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ج ۱۰ / ۶۱

دعوت و تبلیغ کے اس حکم کے ساتھ مشرکین سے اعراض کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے اس کام میں مشرکین کی طرف سے رکاوٹیں سامنے آئیں گی، طنز و تعریض اور تضحیک ہوگی، مذاق اڑایا جائے گا، بدگوئی کی جائے گی، ستایا جائے گا، تمہاری راہ میں کانٹے بچھائے جائیں گے اور تمہیں بڑے سے بڑا لالچ دے کر بھی اس سے باز رکھنے کی کوشش ہوگی۔ ان سب سے صرف نظر کر کے اپنا فرض ادا کرتے رہو۔ ان میں سے کوئی چیز تمہارے لیے سدِ راہ نہ بننے پائے۔[1]

اس ہدایت کے بعد ارشاد ہے :۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِءِينَ ۝	ہم ان مذاق اڑانے والوں کے لیے
الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا	کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو
آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝	بھی خدا بناتے ہیں۔ بہت جلد انھیں
(الحجر : ۹۵-۹۶)	معلوم ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ کسی کا ڈر اور خوف، کسی کی دھمکی اور سختی، کوئی بڑی سے بڑی پیشکش اور لالچ تمہاری سعی و جہد کو مضمحل نہ کرے، تم بے خطر اور بغیر کسی جھجک کے صاف صاف الفاظ میں خدا کا پیغام سنا دو اور کسی خطرہ کی پروا نہ کرو، اس لیے کہ جس خدا نے تمہیں اس کام پر مامور کیا ہے وہ تمہاری حفاظت بھی فرمائے گا۔ اگر تمہارے مخالف طاقتور ہیں تو تمہارا خدا ان سے زیادہ قوت و طاقت کا مالک ہے۔ وہ ان کے شر سے تمہیں بچا سکتا ہے اور یقیناً بچائے گا۔ یہ لوگ بہت جلد اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

ان آیات کے نزول کے بعد کھل کر دعوت و تبلیغ کا کام شروع ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :

---

[1] بعض لوگ اعراض یا اس کے ہم معنی آیات کے ذیل میں کہتے ہیں کہ جہاد کا حکم آنے کے بعد یہ ہدایات منسوخ ہو گئیں۔ حالانکہ اعراض اور جہاد دونوں کا موقع و محل ایک دوسرے سے الگ ہے۔ اس لیے نسخ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ امام رازی فرماتے ہیں۔ قال بعضهم هٰذا منسوخ بآية القتال وهو ضعيف لان معنى هٰذا الاعراض ترك المبالاة بهم فلايكون منسوخا۔ تفسیر کبیر جلد ۱۰ جزء ۱۹ ص ۱۷۰ (بعض لوگوں نے اسے آیت قتال سے منسوخ کہا ہے۔ لیکن یہ ایک کمزور قول ہے۔ اس لیے کہ اس اعراض کے معنی یہ ہیں کہ ان کی پروا نہ کی جائے اور اپنا کام جاری رکھا جائے۔ یہ چیز منسوخ نہیں ہے)

ما زال النبی صلی اللہ علیہ وسلم مستخفیا حتی نزلت فاصدع بما تؤمر، فخرج ھو و اصحابہ[1]	نبی صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ دعوت دے رہے تھے، یہاں تک کہ 'فاصدع بما تؤمر' کا حکم نازل ہوا۔ اس کے بعد آپ اور آپ کے صحابہ باہر نکل آئے (علی الاعلان تبلیغ شروع کر دی۔)

اہلِ عرب خدائی تعلیمات سے بے خبر تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم میں مبعوث ہوئے اور جو آپ کے اولین مخاطب تھے، گو اس کا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے نسلی تعلق تھا لیکن وہ اپنے ان بزرگوں کی تعلیمات اور ان کے لائے ہوئے دین کو فراموش کر چکی تھی، وہ ان کی صحیح تاریخ اور خدمات سے بھی بے خبر تھی۔ ان بزرگوں کے تقریباً ڈھائی ہزار سال بعد اس قوم تک آپ کو خدا کا دین پہنچانے کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید نے بار بار کہا ہے کہ آپ کو ایک ایسی قوم کے درمیان دعوت و تبلیغ کے لیے کھڑا کیا گیا ہے جس کے پاس نہ تو کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ آپ کے آنے سے پہلے اس کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے کے لیے کوئی رسول آیا۔[2]

اہلِ خاندان کو انذار

آپ کا خاندان اور قبیلہ جس میں آپ پیدا ہوئے آپ کی قوم ہی کا ایک جزء تھا اس کے عقائد اور اعمال اس سے الگ نہیں تھے۔ وہ بھی انہی خرابیوں کا شکار تھا جس کا شکار پوری قوم تھی اور وہ بھی اسی غفلت میں پڑا ہوا تھا جو غفلت پوری قوم پر چھائی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح اور ہدایت کا بطورِ خاص آپ

---

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۶۱۵ طبع بیروت ۱۹۹۲ء۔ ابن جریر میں یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے ابوعبیدہ کی طرف منسوب ہے۔ تفسیر ج ۱۴ ص ۱۴۸۔

[2] ملاحظہ ہو السبا: ۴۴۔ یٰس: ۶، السجدہ: ۳۔

کو حکم دیا۔ارشاد ہے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (الشعراء: ۲۱۴-۲۱۶)	اور (اے نبی!) تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی عذاب پانے والوں میں شامل ہوجاؤ گے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اپنے بازو ان ایمان والوں کے لیے جھکا دو جو تمہاری اتباع کریں پھر اگر وہ تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے میں بری ہوں۔

ان آیات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید پر قائم رہنے اور شرک سے اجتناب کی ہدایت ہے۔اس کے فوراً بعد اپنے خاندان کو توحید کی طرف بلانے اور شرک کے انجامِ بد سے ڈرانے کا حکم دیا گیا ہے، اس کے نتیجہ میں جو لوگ ایمان لائیں فرمایا کہ ان کے ساتھ بہت ہی نرمی، شفقت اور ملاطفت کا رویہ اختیار کیجئے اور جو لوگ اپنے کفر پر جمے رہیں، خواہ آپ کے خاندان کے ہوں یا خاندان سے باہر کے، ان کے غلط عقائد اور غلط اعمال سے بالکل کنارہ کش رہیے۔آپ کی کسی بات سے، کسی اقدام سے اور کسی روش سے اس کا ہرگز اظہار نہ ہونے پائے کہ آپ بھی ان کی روشِ حیات کا ساتھ دے رہے ہیں۔ان سے آپ کا کوئی فکری اور عملی اختلاف نہیں ہے، وہ اور آپ ایک ہی ہیں۔

خاندان اور قبیلہ کے درمیان 'انذار' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کی دعوت کا مقصد محدود تھا اور آپ خاندان اور قبیلہ کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔آپ کی بعثت عام تھی اور خاندان سے خطاب اس کا ابتدائی اور ضروری قدم تھا۔علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ھٰذہ النذارۃُ الخاصۃ لا تنافی العامۃ بل ھی فرض من اجزائھا[1]	یہ انذارِ خاص انذارِ عام کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ اس کے اجزاء میں سے ایک فرض جزء ہے۔

[1] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ج ۲ ص ۳۸۵

خاندانِ رسولؐ کی اہمیت کے بعض پہلو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو خطاب کے اس حکم کے پیچھے بہت سے اسباب تھے۔

۱۔ ہر شخص کا اپنے خاندان پر حق زیادہ ہوتا ہے، دوسروں کے مقابلہ میں وہ اس کا زیادہ مستحق ہوتا ہے کہ اس تک اللہ کا دین پہنچایا جائے، اگر یہ کام دوسروں میں ہو اور اپنے خاندان ہی میں نہ ہو تو یہ ان کی بہت بڑی حق تلفی ہوگی۔

۲۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ آپ خدا ترسی، شرک سے بیزاری اور نیکی اور تقویٰ کی جو تبلیغ دوسروں پر کر رہے ہیں اپنے خاندان کو اس کا اولین مخاطب سمجھتے ہیں اور آپ کے نزدیک ساری دنیا کی نجات جس ایمان و عمل سے وابستہ ہے اسی سے اپنے خاندان کی نجات بھی جڑی ہوئی ہے، اس سے کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملے گا کہ اگر یہ دین حق ہے تو پہلے آپ اپنے خاندان والوں کو اس کی دعوت کیوں نہیں دیتے۔[۱]

۳۔ آپ کا خاندان آپ کو پیکرِ اخلاق سمجھتا تھا۔ آپ کی سیرت و کردار کی عظمت کا معترف تھا، آپ کی مدح و ثنا کرتا تھا، اس کے بہت سے افراد آپ کی تعلیمات کو بھی بڑی حد تک صحیح سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود اسے پوری طرح قبول کرنے اور اپنی زندگی میں اسے شامل کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ان کو بتانے کی ضرورت تھی کہ آپ خدا کے جس عذاب سے ڈرا رہے ہیں وہ آپ کی تعریف و توصیف سے ٹل نہیں جائے گا بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص ایمان و عمل کا سرمایہ ساتھ رکھے اور صحیح معنی میں خدا کا اطاعت گزار بن جائے۔

---

[۱] امام رازی ان آیات کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ بدأ بالرسول فوعدہ إن دعا مع اللہ إلٰهاً أخر ثم أمرہ بدعوۃ الاقرب فالاقرب وذالک لأنہ إذا تشدد علی نفسہ أولا ثم الاقرب فالاقرب ثانیا لم یکن لأحد فیہ الطعن البتۃ وکان قولہ أنفع وکلامہ أنجع۔ التفسیر الکبیر ج ۱۲ جزء ۲۴ ص ۱۷۲
(آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپ کو وعید سنائی اگر آپ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکاریں پھر الاقرب فالاقرب کے اصول پر ایک ترتیب کے ساتھ دعوت کا حکم دیا۔ اس طرح اگر آپ (دین کے معاملہ میں) پہلے اپنے ساتھ سختی کریں پھر جو سب سے قریب ہو اس کے ساتھ یہ رویہ اختیار کریں اور یہ سلسلہ ایک ترتیب کے ساتھ جاری ہو تو کسی کو اعتراض کا موقع نہ ہوگا اور آپ کی بات زیادہ نافع اور زیادہ موثر ثابت ہوگی۔)

ہم آپؐ کے خاندان کی سیاسی وسماجی حیثیت بہت اونچی تھی۔ اس کو صرف قریش ہی کے اندر نہیں بلکہ سارے عرب میں برتری اور عزت کا مقام حاصل تھا، اس لیے دعوتِ دین کا یہ عین تقاضا تھا کہ اس کی طرف خصوصی توجہ کی جائے تاکہ وہ دوسروں کی اصلاح کا ذریعہ بن جائیں۔

ان کے علاوہ اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں جن کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاندان سے خطاب کا خاص طور پر حکم دیا گیا۔ اس سے ضمناً خاندان کے درمیان دعوت وتبلیغ اور اس کی اصلاح وتربیت کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے۔

انذار کے لیے مروّجہ طریقے اختیار کیے گئے

قرآن مجید کے اس حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عمل فرمایا حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے اس سلسلہ کی کئی ایک روایات نقل کی ہیں۔ یہاں ان سب کو پیش نظر رکھ کر اس کی کسی قدر تفصیل پیش کی جارہی ہے۔

اہل مکہ کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو کوئی مشترک خطرہ محسوس ہوتا تو وہ کسی بلند مقام پر کھڑا ہو کر اس کا زور سے اعلان کرتا، تاکہ سب لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جائے۔ ان آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ طریقہ اختیار فرمایا۔ آپ صفا کی پہاڑی پر چڑھ گئے اور قریش کی ایک ایک شاخ کا نام لے کر آواز دی۔ اس پر سب لوگ دوڑ پڑے۔ اگر کوئی شخص وہاں پہونچنے کے موقف میں نہیں تھا تو اس نے اپنی طرف سے کسی نمائندہ کو بھیجا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا میں اس پہاڑ کے دونوں طرف دیکھ رہا ہوں۔ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے اس طرف وادی میں حملہ کے لیے ایک فوج تیار کھڑی ہے تو کیا آپ لوگ میری اس بات کو مان لیں گے؟ سب نے بہ یک زبان کہا، ہاں! ضرور مانیں گے، اس لیے کہ آپ کو ہم نے ہمیشہ سچا پایا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر آپ لوگ مجھے سچا مانتے ہیں اور میرے بارے میں کبھی آپ لوگوں کو جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ہے تو میں اس وقت خدا کے عذاب سے تمہیں ڈراتا ہوں (جسے میں دیکھ رہا ہوں اور جو کسی بھی وقت نازل ہو سکتا ہے) میری

مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کو دشمن سے باخبر کرے اور جسے یہ خدشہ ہو کہ اس کے اطلاع دینے سے پہلے اس کا پورا خاندان اور قبیلہ تباہ نہ ہو جائے۔[۱]

بخاری اور مسلم کی بعض اور روایات میں ہے کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے قریش کو جمع کیا اور ان سے خطاب کیا۔ خطاب عام بھی تھا اور خاص بھی۔ آپ نے قریش کی ایک ایک شاخ کو مخاطب فرمایا۔ اے بنو کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنو مرہ بن کعب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنو عبد مناف! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اے بنو عبد المطلب! اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ، اس لیے کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ لوگوں کے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! آپ بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائیے۔ اے رسول خدا کی پھوپھی صفیہ! آپ بھی اپنے آپ کو آگ سے بچائیے۔ اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! تم بھی اپنے آپ کو آگ سے بچاؤ۔ اگر میرے پاس کچھ مال ہے تو تم اس میں سے جو چاہو لے لو لیکن قیامت کے دن میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔ البتہ جو قرابت داری ہے اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔[۲]

یہ سن کر ابولہب ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھا اور کہا تمہارا سارا دن برباد ہو گیا تم نے اسی لیے ہم سب کو جمع کیا تھا۔ سورۂ لہب اسی کے جواب میں نازل ہوئی۔[۳]

---

[۱] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الشعراء، باب وانذر عشیرتک الاقربین۔ مسلم، کتاب الایمان، باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین۔

[۲] مسلم کے الفاظ ہیں: فانی لا املک لکم من اللہ شیئاً غیر ان لکم رحماً سابلّہا ببلالہا۔ اس کے حوالہ سے علامہ قرطبی کہتے ہیں فی ھٰذا الحدیث والآیۃ دلیل علی ان القرب فی الانساب لا ینفع مع البعد فی الاسباب ودلیل علی جواز صلۃ المومن الکافر وارشادہ ونصیحتہ۔ الجامع لاحکام القرآن: ۱۳/۹۲ (اس آیت اور حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ حسب و نسب کے لحاظ سے کسی پیغمبر یا بزرگ سے قریب ہونا نفع نہ دے گا اگر وہ اسباب و عوامل ہی نہ ہوں جو نفع پہونچاتے ہیں۔ اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مومن کے لیے کافر کے ساتھ صلہ رحمی جائز ہے۔ اسے راہ ہدایت دکھانا اور نصیحت کرنا صحیح ہے)

[۳] بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الشعراء، باب وانذر عشیرتک الاقربین۔ مسلم کی روایات میں زیادہ تفصیل ہے۔ کتاب الایمان باب قولہ وانذر عشیرتک الاقربین۔

بعض تفسیر کی کتابوں میں یہاں تک ملتا ہے کہ اس نے اس وقت ایک پتھر پھینک مارا جس کی وجہ سے قدم مبارک زخمی ہوگیا۔[۱]

طبرانی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندانِ بنو ہاشم کے مردوں اور عورتوں کو نیز اپنی ازواج کو جمع کیا اور فرمایا :

اشتروا انفسکم من النار	اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے نکالو اور
واسعوا فی فکاک رقابکم	اپنی جان بچانے کی کوشش کرو۔

پھر آپ نے حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو بھی یہی نصیحت کی۔ یہ بظاہر مدینہ کا واقعہ ہے[۲] اس لیے کہ یہ ازواج مدینہ میں آپ کے عقد میں آئیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ اس آیت کے تقاضے آپ نے مدینہ میں بھی پورے کیے۔

دعوت کے لیے خاندان سے تعاون کی درخواست

مسند احمد، بیہقی کی دلائل النبوۃ اور ابن ابی حاتم کی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے آنے کے بعد دین کی تبلیغ اور فریضۂ انذار کی ادائیگی میں آپ نے اہلِ خاندان سے تعاون کی درخواست کی۔ حضرت علیؓ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک مختصر سی دعوت کے انتظام کا حکم دیا۔ فرمایا ایک بکری ذبح کرو (گوشت کے ساتھ) ایک صاع گیہوں (ملا کر پکا دو) اور ایک بڑے پیالے میں دودھ ہو اور خاندان عبدالمطلب کو کھانے پر مدعو کرو۔ میں نے یہ دونوں خدمات انجام دیں۔ تقریباً چالیس افراد جمع ہوگئے۔ ان میں ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔ گو کہ کھانا مختصر تھا۔ آپ نے تھوڑا سا اس میں سے لے کر برتن کے چاروں طرف پھیلا دیا۔ مہمانوں میں بعض ایسے بھی تھے کہ بکری کا بچہ پورا کا پورا کھا سکتے تھے۔ جب کھانے کا برتن سامنے آیا تو آپ نے اس کے اوپر کے حصہ کو ہاتھ لگایا اور فرمایا کھانا شروع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے میں اتنی برکت

---

[۱] خازن، لباب التاویل فی معانی التنزیل۔ تفسیر سورۂ تبت یدا۔ ۲۶۳/۷ طبع مصر ۱۳۴۹ھ

[۲] ابن حجر، فتح الباری: ۹/ ۵۰۴۔ دارالفکر بیروت ۱۹۹۶ء

عطا کی کہ سب نے سیر ہو کر کھایا اور کھانا جوں کا توں باقی رہا۔ بات اسی پر چل پڑی کہ ابولہب نے یہ شوشا چھوڑ دیا کہ اس شخص نے ہم لوگوں پر جادو کر دیا ہے۔ لوگ اس میں الجھ گئے اور مجمع منتشر ہو گیا۔ آپ گفتگو نہیں فرما سکے۔ دوسرے دن آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے تو بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ پھر اسی طرح کا انتظام کرو۔ میں نے اس کی تعمیل کی اور لوگ جمع ہو گئے لیکن اس دن بھی اسی طرح کی صورت حال پیش آئی اور آپ گفتگو نہیں فرما سکے۔ آپ نے تیسری مرتبہ دعوت کی اور اپنی بات رکھی۔

"اے اولاد عبدالمطلب! خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ عرب کے کسی جوان نے آپ لوگوں کے سامنے اس سے بہتر کوئی چیز کبھی پیش کی ہو جو میں اس وقت پیش کر رہا ہوں۔ میں آپ حضرات کے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ میری بعثت اولاً آپ لوگوں کی طرف ہے ثانیاً تمام انسانوں کی طرف۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مجھے جو حکم دیا ہے وہ آپ حضرات کے سامنے ہے (یہ حکم اس لیے ہے تاکہ آپ لوگ اس کی عبادت قبول کریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں پھر آپ کے واسطے سے دوسروں کے درمیان یہی فرض انجام دیا جائے) اب تم لوگوں میں سے کون اس کے لیے تیار ہے کہ اس کام میں میرا بھائی، میرا دوست اور میرا معاون اور مددگار بنے؟ کون اس بات کی ضمانت لیتا ہے کہ میرا قرض ادا کرے، میں نے جو وعدے کیے ہیں انھیں پورا کر دے اور میرے بعد میرے اہل وعیال کا خیال رکھے اور جنت میں میرے ساتھ رہے۔"

حافظ ابن کثیر اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

کأنّه خشی اذا	گویا آپ کو اس کا خوف لاحق ہوا
قام بابلاغ الرسالة	کہ جب آپ پیغام رسالت لے کر
الی مشرکی العرب ان	مشرکین کے پاس پہونچیں گے تو وہ آپ
یقتلوه فاستوثق من	کو قتل کر دیں گے اس لیے آپ نے یہ
یقوم بعده بما	اطمینان چاہا کہ کوئی شخص آپ کے بعد
یصلح اهله ویقضی	آپ کے گھر والوں کا خیال رکھے اور

عنہ [1] آپ کا قرض ادا کر دے۔

مطلب یہ کہ اس سوال کے پیچھے آپ کا یہ احساس صاف جھلک رہا تھا کہ جس عظیم کام پر آپ کو مامور کیا گیا ہے اس میں آپ کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور آپ اس خطرہ سے بے نیاز ہو کر اس کام کو انجام دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں، اس لیے آپ چاہ رہے ہیں کہ اگر کسی وقت اس راہ میں آپ کی جان چلی جائے تو آپ کے ذمہ جو دوسروں کے حقوق ہیں وہ ضائع نہ جائیں اور کوئی شخص اس کے لیے تیار ہو جائے کہ آپ کے بعد آپ کی طرف سے انھیں ادا کر دے گا۔ یہ قرض جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے ہو سکتا ہے غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کے لیے لیا گیا ہو۔ اس کے باوجود جب ان کی ضرورتیں پوری نہ ہوئی ہوں تو آپ نے ان سے وعدے بھی فرمائے ہوں کہ جب کوئی سبیل نکلے گی تو ان کی مدد کی جائے گی۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہ سوال سن کر سب خاموش ہو گئے۔ کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ اس بھاری بوجھ کے اٹھانے کا وعدہ کرے۔ مجھے کچھ بولنے کی اس لیے ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ ایک تو میں کم عمر تھا، دوسرے حضرت عباسؓ بھی مجلس میں موجود تھے [2] جب سب پر سکوت طاری رہا تو میں نے اٹھ کر عرض کیا حضور! میں گو بہت کم سن ہوں، بہت کم زور ہوں، اس وقت میری آنکھوں میں تکلیف بھی ہے لیکن میں آپ کا ساتھ دینے اور آپ کا بوجھ اٹھانے کے لیے تیار ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ (آپ کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت میں خاندان کے اکابر سے خطاب کر رہا ہوں) چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ آپ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی۔ اس وقت بھی سب خاموش رہے۔ مجھ سے یہ خاموشی دیکھی نہیں گئی۔ میں نے دوبارہ اٹھ کر اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے

---

[1] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ جزء ۳ ص ۳۳

[2] اوپر گزر چکا ہے کہ اس مجلس میں حضرت عباسؓ کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور چچا بھی تھے لیکن حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کا ذکر خاص طور پر شاید اس لیے کیا ہو کہ وہ دولت مند تھے، دوسروں کے مقابلہ میں ان سے اس کی زیادہ توقع کی جا سکتی تھی کہ وہ آپؐ کے بوجھ کو اٹھانے کے لیے آگے بڑھتے لیکن وہ بھی خاموش رہے۔ ایک روایت میں ہے "وسکت العباس خشیۃ ان یحیط ذالک بمالہ" (حضرت عباس اس اندیشہ سے خاموش رہے کہ ان کا پورا مال اس کی نذر ہو جائے گا)

اس مرتبہ بھی مجھے بٹھا دیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ اپنی بات پیش فرمائی۔ اس مرتبہ بھی کسی نے جواب نہیں دیا تو میں پھر کھڑا ہو گیا اور وہی بات کہی جو پہلے کہہ چکا تھا۔ اس پر آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے ہاتھ پر مارا۔ اس طرح اس وقت میں نے آپ سے اس بات کی بیعت کی کہ وقتِ ضرورت آپ کا سارا بوجھ میں اٹھاؤں گا۔[۱]

روایات میں ان ہی چند اجتماعات کا ذکر ملتا ہے جو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں کیے کہ آپ اپنے اہلِ خاندان کو اس کے عذاب سے ڈرائیں۔ قیاس یہ ہے کہ اس طرح کے اور بھی اجتماعات ہوئے ہوں گے اور بار بار آپ نے اپنے خاندان والوں کو خدا کا دین قبول کرنے اور اس کے عذاب سے بچنے کی نصیحت کی ہوگی۔

خاندان میں دعوتی کوششوں کے نتائج

خاندان کے درمیان دعوت و تبلیغ اور انذار و تبشیر کے سلسلہ کے اجتماعات کا یہ ذکر تھا۔ جہاں تک اس سلسلہ کی انفرادی کوشش کا تعلق ہے، پہلے دن سے آپ یہ کوشش فرماتے رہے اور ان اجتماعات کے شروع ہونے کے بعد بھی اس کا سلسلہ جاری رہا۔ اسی کے نتیجہ میں آغازِ دعوت ہی میں آپ کے گھر کے تمام افراد ایمان لے آئے۔

حضرت ابو طالب بزرگِ خاندان تھے۔ آپ کی پوری دعوت ان کے سامنے تھی۔ آپ کی خاطر وہ تکلیفیں بھی برداشت کر رہے تھے لیکن اس پر آپ ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوئے۔ نبوت کے بعد سے ان کے آخری دم تک جب کبھی موقع ملا ان پر خدا کے دین کی عظمت واضح کی اور انھیں اس کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ جیسا کہ اس سے پہلے ذکر آچکا ہے نبوت کے آغاز ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت ابو طالب نے دیکھ لیا۔ اس طریقۂ عبادت کے بارے میں دریافت کرنے پر آپ نے موثر انداز میں دین کا تعارف

---

[۱] ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ جلد ۲ جزء ۳ ص ۳۲-۳۳۔ ابن کثیر نے زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ روایات مختلف سندوں سے اپنی تفسیر میں نقل کی ہیں۔ ان روایات میں بعض کمزور اور بعض قوی ہیں۔ یہاں ان کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔ تفسیر القرآن العظیم: ۳/۳۸۶-۳۸۷

کرایا جس کے جواب میں حضرت ابو طالب نے اللہ کے دین کو قبول تو نہیں کیا لیکن آپ سے تعاون کا وعدہ کیا۔[1]

اسی طرح مشرکین کی مخالفت کی وجہ سے حضرت ابو طالب نے جب کبھی حالات کے نشیب و فراز سمجھانے کی کوشش کی تو آپ نے دین کی حقیقت ان پر واضح کی اور بتایا کہ زندگی کا یہ اعلیٰ ترین نصب العین ہے۔ اس کے لیے سر کٹایا اور سب کچھ لٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے کسی قیمت پر دست برداری نہیں اختیار کی جا سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طالب کو اس وقت بھی سمجھایا جب کہ وہ موت وحیات کی کشمکش میں تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا چچا جان! صرف ایک بار لا الٰہ الا اللہ کہہ دیجئے۔ میں اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ سے آپ کی نجات کی سفارش کروں گا۔ اس وقت ابو طالب کے پاس ابو جہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ موجود تھے۔ انھوں نے کہا ابو طالب! کیا آپ اس آخری وقت میں اپنے باپ عبد المطلب کے دین سے روگردانی کریں گے! آپ بار بار ان سے یہی درخواست کر رہے تھے اور ساتھ ہی یہ دونوں عصبیتِ جاہلیہ ابھار رہے تھے۔ آخر میں ابو طالب نے لا الٰہ کہنے سے انکار کر دیا اور کہا میں اپنے باپ عبد المطلب کے دین پر مر رہا ہوں۔[2]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کے باوجود حضرت ابو طالب کو ایمان کی دولت نہیں ملی لیکن خاندان کی بعض دوسری اہم شخصیتیں اس سے بہرہ ور ہوئیں۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آپؐ کے چچازاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے بالکل ابتدائی دور میں اسلام قبول کیا۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو اسی مضمون کی پہلی قسط ص ۱۳-۱۴، تحقیقات اسلامی - اپریل-جون ۱۹۹۸ء

[2] امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر یہ روایت نقل کی ہے۔ مثلاً ملاحظہ ہو۔ کتاب التفسیر، سورۃ القصص، باب قولہ انک لا تہدی من احببت الخ

[3] ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۱/۲۹۴

حضرت علیؓ کے اسلام لانے کے کچھ ہی دن بعد یہ اسلام لے آئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ سے پہلے اکتیس[۳۱] افراد اسلام لا چکے تھے بتیسویں فرد آپ تھے[۱]

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دارارقم ابھی مرکزِ دعوت نہیں بنا تھا[۲] اسی زمانہ میں حضرت جعفرؓ کی بیوی اسماء بنتِ عمیس بھی اسلام لائیں اور ہجرتِ حبشہ اور وہاں سے ہجرتِ مدینہ میں حضرت جعفر کے ساتھ رہیں[۳]

حضرت حمزہؓ بھی جو آپ کے حقیقی چچا اور رضاعی بھائی تھے اور عمر میں دو سال بڑے تھے، بعض روایات کے مطابق جلد ہی ایمان لے آئے۔ علامہ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ آپ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے۔ فرماتے ہیں ایک خیال یہ بھی ہے کہ آپ بعثت کے چھٹے سال دائرہ اسلام میں آئے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ دارارقم میں جمع ہونے لگے تھے[۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا حضرت عباسؓ نے گو بہت تاخیر سے جنگ بدر کے بعد یا جنگ خیبر سے پہلے اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا، لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ ہی میں اسلام لا چکے تھے البتہ اپنی مجبوریوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اپنے قبولِ اسلام کو پوشیدہ رکھا[۵]

---

[۱] ابن اثیر، اسد الغابہ : ۱/۵۴۶

[۲] اسلم قدیما بمکۃ قبل دخول رسول اللہؐ دارارقم - الخمیس فی احوال انفس نفیس ۲/۸۲

[۳] ابن اثیر، اسد الغابہ : ۷/۱۳ - ابن حجر، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ : ۴/۲۳۱

[۴] ابن عبدالبر - الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ۱/۴۲۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵ء - علامہ ابن اثیر اور حافظ ابن حجر نے صرف پہلے قول کا ذکر کیا ہے۔ اسد الغابہ : ۲/۶۷ - ابن حجر - الاصابہ فی تمیز الصحابہ : ۲/۱۰۵ - دارالکتب العلمیہ لبنان ۱۹۹۵ء دوسرے قول کو جن اہلِ علم نے اختیار کیا یا ترجیح دی ہے اس کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین ۳/۲۱۲ زرقانی علی المواہب اللدنیہ : ۱/۴۷۷ حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے حاکم، المستدرک ۳/۲۱۲-۲۱۳ ابن ہشام، سیرۃ النبی : ۱/۳۲۸ - ۳۲۹

[۵] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب : ۲/۳۵۹ - ابن اثیر، اسد الغابہ : ۳/۱۶۴ - ابن حجر، الاصابہ : ۳/۵۱۱ اس سلسلہ کی مختلف روایات کی تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین : ۳/۳۶۳ - ۳۵۹

صحابہ کرامؓ نے اسوہ رسولؐ پر عمل کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے خاندان میں دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دیا اسی طرح وہ صحابہ کرام بھی اس کی انجام دہی میں لگ گئے جو اپنے سن وسال اور اثر ورسوخ کے لحاظ سے یہ فرض ادا کرسکتے تھے۔ اس کے اثرات بھی بہت جلد ظاہر ہونے لگے۔ یہاں اس کی بعض مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ اور حضرت عائشہؓ کی والدہ امّ رُومان قدیم الاسلام ہیں۔ انھوں نے دین کے لیے بڑی سختیاں برداشت کیں۔ مدینہ ہجرت کرکے آئیں۔ ۶ھ میں انتقال ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر میں اتارا اور فرمایا:

اللھم لم یخف علیک	اے اللہ! تیرے لیے اور تیرے
ما لقیت ام رومان فیک	رسول کے لیے ام رومان نے جو تکلیف
وفی رسولک [1]	اٹھائی ہے وہ تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

من سرّہ ان ینظر الی	جنت کی حوروں میں سے کسی حور
امرأۃ من الحور العین	کو دیکھنے میں جس کسی کو خوشی محسوس
فلینظر الی ام رومان [2]	ہوتی ہو وہ ام رومان کو دیکھ لے۔

حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی، حضرت اسماءؓ نبوت سے غالباً چودہ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ حضرت زبیرؓ سے ان کی شادی ہوئی۔ مشہور صحابی عبداللہ بن زبیرؓ ان ہی کے صاحبزادے ہیں۔ بہت قدیم الاسلام ہیں۔ ان سے پہلے صرف سترہ افراد اسلام لائے تھے [3]

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ ام الخیر بھی قدیم الاسلام ہیں۔ بعثت کے ابتدائی دور کا واقعہ

---

[1] ابن عبدالبر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب: ۴/۴۹۰ - ابن الاثیر، اسد الغابہ: ۷/۳۲۰ - ۳۲۱

[2] حوالہ سابق

[3] الاستیعاب: ۴/۳۴۵ - ۳۴۶ - اسد الغابہ: ۷/۸ - نووی، تہذیب الاسماء واللغات: ۲/۳۲۸ - ۳۲۹

ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور! ان کے حق میں دعا فرمائیے اور ان کو اسلام کی طرف بلائیے۔ امید ہے اس طرح وہ جہنم سے بچ جائیں گی۔ آپ نے دعا فرمائی اور اسلام کی دعوت دی۔ اس کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہوگئیں [1]

ان واقعات کا تعلق چونکہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان سے ہے۔ اس لیے ان کے اسلام لانے میں بظاہر حضرت ابوبکرؓ کی دعوتی کوشش کا دخل ضرور رہا ہوگا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قرآن یاد کیا تھا وہ اپنے ماں باپ کو سنایا۔ وہ اس سے متاثر ہوئے اور اسلام لائے [2]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ (قدیم الاسلام اصحاب میں) حضرت ابوبکرؓ حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کی ماؤں کو اسلام کی دولت ملی [3]۔

قیاس یہی ہے کہ ان بزرگوں کی دعوت و تبلیغ ہی کے نتیجہ میں وہ مسلمان ہوئی ہوں گی۔

بعثت کے بعد اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں حضرت عثمان بن مظعونؓ بھی ہیں۔ آپ سے پہلے صرف تیرہ افراد نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ کے دو بھائی قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون بھی قدیم الاسلام ہیں۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سائب بھی جلد ہی اسلام لے آئے اور ان سب نے حبشہ کی ہجرت کی [4]

بہت ممکن ہے کہ اس میں حضرت عثمان بن مظعونؓ کی کوششوں کا دخل رہا ہو۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ ان سے دعوت و تبلیغ کی راہ میں صحابہ کرامؓ نے خاندان کو جو اہمیت دی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ خاندان سماج کا بنیادی ادارہ ہے۔ اس سے پورے سماج کی صورت گری ہوتی ہے۔ آدمی اگر اس محاذ پر کامیابی حاصل کرلے تو دوسرے محاذوں پر آسانی سے قدم بڑھا سکتا ہے۔ یہ محاذ غفلت کی نذر ہو جائے یا وہ مخالفت کی راہ اختیار کرلے تو قدم قدم پر اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان پر قابو پانا آسان نہ ہوگا۔

---

[1] ابن اثیر، اسدالغابہ: ۷/ ۳۱۴ - ۳۱۵ - ابن حجر، الاصابہ: ۸/ ۳۸۶

[2] دیار بکری۔ الخمیس فی احوال انفس نفیس : ۱/

[3] ابن اثیر، اسدالغابہ: ۷/ ۳۱۵ - ابن حجر- الاصابہ فی تمیز الصحابہ: ۸/ ۳۸۶

[4] ابن ہشام، سیرۃ النبی: ۱/ ۲۹۰ - ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۶۴ - اسدالغابۃ: ۳/ ۱۶۵ - ۴/ ۳۷۵ - ۲/ ۳۹۷